

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ  
”اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا“

# سیرت محمدی ﷺ

انسانیت کے لئے اعلیٰ نمونہ

مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی  
(صدر مجلس تحقیقات و نشریات اسلام بھٹنور)

ناشر

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام بھٹنور

جملہ حقوق محفوظ

# باراول

۲۰۰۹ء

۱۴۳۰ھ

نام کتاب: سیرت محمدیؐ انسانیت کے لئے اعلیٰ نمونہ

۴۴

صفحات: .....  
 کمپوزنگ: حامد خوشنویس (مجلس تحقیقات و نشریات اسلام، بکنو)

تعداد اشاعت: ایک ہزار

طباعت: کاکوری آفسٹ پریس، بکنو

قیمت: پندرہ روپے

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام

P.Box.No.119 Luknow

# فہرست

صفحہ نمبر	عناوین	۱
۴	مقدمہ	۲
۱۰	گہمائے عقیدت	۳
۱۱	سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ	۴
۲۸	سیرت پاک اہل ایمان کے لئے جامع و کامل نمونہ	۵
۳۳	عید میلاد النبی ﷺ کا پیغام	۶
۳۹	انسانیت کی عید	۷



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## مقدمہ

از: \_\_\_\_\_ مولانا سید محمد واضح رشید ندوی صاحب

(صدر شعبہ عربی دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ)

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على  
سيد المرسلين محمد وعلى آله وصحبه  
واجمعين ومن تبعهم باحسان الى يوم الدين،

وبعد

علم کی تاریخ میں اس سے بڑی کذب بیانی، اور غلط ترجمانی، اور گمراہ کن رویہ کی مثال ملنا مشکل ہے جتنی کذب بیانی، افترا پردازی، سیرت پاک کے سلسلہ میں مغربی اہل قلم کی تحریروں میں ملتی ہے، یہ بات اس وقت تو قابل فہم ہے جب علم آزاد نہ تھا، اور علم پر کلیسا کے رنگین گہرے پردے پڑے ہوئے تھے، لیکن کلیسا سے آزاد ہونے کے بعد علم کی یہ جانبداری، اور کلیسا سے بغاوت کے بعد نبی اسلام اور اسلام کے بارے میں اس کلیسائیت کا مظاہرہ، اہل علم کی علمی تحقیقات، اور استنتاج

کو مشکوک بنا دیتا ہے۔

تجب کی بات یہ ہے کہ بعض محققین جو اپنے علوم و معارف میں حجت سمجھے جاتے ہیں، اور بات بہت ناپ تول کے کہتے ہیں، اور بڑی گہرائی تک جاتے ہیں وہ بھی جب سیرت پاک، قرآن، حدیث، یا اسلامی موضوعات پر آتے ہیں، تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کو صلیبیت یا یہودیت کا زبردست کرنٹ لگا اور وہ ہوش حواس کھو بیٹھے، اور غیر معقول بات جو خود ان کے بتائے ہوئے اصول و ضوابط کے خلاف ہے ان کے قلم سے نکل گئی، اور بعض اپنے اس جذبہ کا اظہار بھی کر بیٹھے ہیں، اور اس ایذا رسانی کا علمی جواز بھی پیش کرتے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ اس بڑی تعداد میں کچھ انصاف پسند بھی ہیں، مگر جو تصورات اور تاثرات خاندانی ماحول اور سماج میں اور علم کے حصول کے دوران ان کے ذہنوں میں قائم ہوئے اور اب وہ لاشعور میں دفن ہو گئے وہ جھلک جاتے ہیں۔

ان افترا پرداز یوں میں ایک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جنگی مزاج کا دعویٰ ہے جو ان کی طبیعت کی الٹی تصویر ہے، اس بات کو یورپ کے اہل قلم اس قوت سے دہراتے رہتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ معلوم ہوتی ہے، حالانکہ صرف جنگوں کی تفصیل میں جایا جائے تو وہ اس عہد کے ماحول اور ماحلی حالات کے تناظر میں ناقابل ذکر بات ہے، حقیقت یہ ہے کہ رسول پاک کی ندگی میں جنگ اور انتقام یا تشدد کی کارروائی کا مقابلہ کیا جائے، تو محبت، امن، اور نغیوں اور تکلیفات کو جھیلنے اور زیادتی کرنے والوں کو معاف کرنے کا عنصر غالب نظر آئے گا، اور وہی اس کی بنیادی خصوصیت معلوم ہوگی، خود آپ نے فرمایا ہے کہ بعثت اتمم مکارم الاخلاق، (موظا امام مالک)

سب سے بڑی دلیل اس عصر کے دشمنوں کا خود تاثر ہے جو جنگ پر آمادہ تھے،

اور ہر طرح کی ایذا رسانی ان کو گوارہ تھی، ان سے جب بھی رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پوچھا گیا، تو ان کے بارے میں کسریٰ، قیصر، نجاشی کے دربار میں جو کچھ اوصاف بیان کئے وہ سب سے بڑی دلیل ہے، انہوں نے ان پر کبھی ظلم کا الزام نہیں لگایا، جو لوگ قتل کے ارادے سے نکلے اور تھوڑی دیر گفتگو کے بعد واپس ہوئے ان کے تاثرات سب سے بڑی گواہی ہیں جو علمی اعتبار سے قابل اعتبار ہیں۔

قرآن کریم نے ان کو رحمت للعالمین کے وصف سے یاد کیا، اور یہ ان کی سب سے بڑی خصوصیت بتائی، وہ کہتا ہے:

”فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظًا  
الْقَلْبِ لَأَنفَضُوا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ  
لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى  
اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ، (سورہ آل عمران: ۱۵۹)

”پھر یہ اللہ کی رحمت ہی کے سبب سے ہے کہ آپ ان کے ساتھ نرم رہے اور اگر آپ ٹھنڈ، سخت طبع ہوتے تو وہ لوگ آپ کے پاس سے منتشر ہو گئے ہوتے، سو آپ ان سے درگزر کیجئے اور ان کے لئے استغفار کر دیجئے اور ان سے معاملات میں مشورہ لیتے رہئے، لیکن جب آپ پختہ ارادہ کر لیں تو اللہ پر بھروسہ رکھئے، بیشک اللہ ان سے محبت رکھتا ہے جو اس پر بھروسہ رکھتے ہیں۔“

اسی طرح آپ کی مجالس کے بارے میں ایثار و قربانی، رحمہلی، تواضع کی صفات بیان کیں:

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ  
عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا، مُحَمَّدٌ رَسُولُ

اللّٰهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ اَشِدَّاءُ عَلٰى الْكٰفِرِ رَحْمَاءُ بَيْنَهُمْ  
 تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا  
 سِيمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثْرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ  
 فِي التَّوْرٰةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ كَزُرْعٍ اَخْرَجَ شَطَاةً  
 فَازْرَعَةٌ فَاسْتَغْلَظَ فَاَسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهِ يُعْجِبُ الزَّرَّاعَ  
 لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكٰفِرَ وَعَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا  
 الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا (سورہ الفتح: ۲۹)

”وہ اللہ وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا ہے تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کر دے اور اللہ کافی گواہ ہے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے پیغمبر ہیں، اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ تیز ہیں کافروں کے مقابلہ میں (اور) مہربان ہیں آپس میں، تو انہیں دیکھے گا (اے مخاطب) کہ (کبھی) رکوع کر رہے ہیں (کبھی) سجدہ کر رہے ہیں، اللہ کے فضل اور رضا مندی کی جستجو میں لگے ہوئے ہیں، ان کے آثار، سجدہ کی تاثیر سے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں، یہ ان کے اوصاف تو ریت میں ہیں، اور انجیل میں ان کا وصف یہ ہے کہ وہ جیسے کھیتی کہ اس نے اپنی سوئی نکالی، پھر اس نے اپنی سوئی کو قوی کیا، پھر وہ اور موٹی ہوئی، پھر اپنے تنہ پر سیدھی کھڑی ہو گئی کہ کسانوں کو بھی بھلی معلوم ہونے لگی، یہ نشوونما صحابہؓ کو اس وجہ سے دیا تاکہ کافروں کو ان سے جلائے، اور اللہ نے ان سے جو ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک کام کئے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کر رکھا ہے۔“

اس رحم دلی کی سب سے بڑی مثال فتح مکہ کے وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلان ہے، جب جنگوں کی تاریخ اور خود عصر حدیث میں عیسائیوں کے غلبہ کی تاریخ مفتوحہ قوم کے ساتھ سخت قسم کے انتقام اور سفاکانہ رویہ کی ہے، رومیوں نے ایسا کیا تو کیا وہ پرانی بات ہے لیکن خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر الزام لگانے والوں نے اپنی فتح کے موقع پر مفتوحہ قوموں کے ساتھ صلیب کے سایہ میں کیا کیا وہ خود ان کی تاریخوں میں محفوظ ہے، انیسویں اور بیسویں اور اکیسویں صدی میں ان تہذیب اور انسانیت کا دم بھرنے والوں نے جو کیا وہ کسی پر مخفی نہیں ہے۔

طائف والوں نے جیسی اذیت پہنچائی لیکن جب فرشتے نے عذاب کی بات کی تو آپ نے منع فرمایا اور کہا کہ ان کی اولاد ہو سکتا ہے حق قبول کرے، اس شہر میں جہاں کوئی ظلم و زیادتی ایسی نہیں ہے جو اس پاک ذات پر جس کو وہ صادق و امین کہتے تھے نہ کی گئی ہو اس شہر کے لوگوں نے ان پر جنگ بھی تھوپی، ان کے خلاف سازشیں بھی کیں، اس کے فتح ہونے پر یہ کہا گیا یوم المرجمۃ، اور جس سے سب سے زیادہ دشمنی کی، اس کے بارے میں کہا گیا جو اس کے گھر میں پناہ لے وہ محفوظ ہے، اس کے بعد عام معافی کا اعلان، ایسی فتح اور ایسے فاتح کی تاریخ میں مثال نہیں مل سکتی، وہ واقعی رحمۃ للعالمین تھے، پھر آخری خطبہ میں مساوات انسانی کا اعلان کن الفاظ میں کیا گیا۔

”سب آدم کی اولاد ہیں، اور آدم مٹی بنے سے ہیں، کسی کو کسی پر

امتیاز حاصل نہیں، امتیاز کی بنیاد صرف خدا کا خوف ہے۔“

اس ذات کے بارے میں جو غلبہ کے وقت، قوت کے وقت طاقت کے استعمال کے بجائے عفو و درگزر کا رویہ اختیار کرے، جو خادموں تک سے سخت لہجہ میں بات نہ کرے، جو جانوروں تک کے بارے میں رحم کا معاملہ کرنے کا حکم دے، اس کے بارے میں ان علم کے دعویداروں کی ہفتوات ان کے علم کا پول کھول دیتی ہیں، اور ان



کے موضوعیت کے دعویٰ کے کھوکھلے پن کو ظاہر کرتی ہیں۔

مسلمانوں سے غلطی یہ ہوئی کہ انھوں نے غزوات کو زیادہ توجہ کا موضوع بنایا، اور سیرت پاک کے غالب عناصر کو اس تفصیل سے نہیں پیش کیا، اور سیرت پاک پر مختلف زبانوں میں تفصیل سے پیش نہیں کیا، اور ختم نبوت اور نبوت کے اثبات پر زیادہ بحثیں کیں، سیرت کے رحم، محبت، انسانیت، بشری خصوصیات اور ملکوئی صفات کو پیش کیا جاتا تو اس سے وہ مقصود بھی حاصل ہو جاتا، اب جب کہ پھر یورپ سے آندھیاں اٹھنے لگی ہیں، اور وہ موضوع پھر قوت کے ساتھ پیش کیا جانے لگا ہے ضرورت ہے کہ سیرت پاک کے اس رنگ میں پیش کیا جائے کہ وہ انسانیت کے لئے اس ظلماتی عہد میں کس طرح نجات کا ذریعہ بن سکتی ہے اور انسانیت اس سے کس طرح بیدار ہو سکتی ہے۔

حضرت مولانا محمد رابع صاحب ندوی ناظم ندوۃ العلماء اور صدر مسلم پرسنل لا بورڈ کے یہ مضامین اسی جذبہ سے لکھے گئے ہیں میں امید کرتا ہوں کہ اس سے سیرت نگاری میں نیا رخ پیدا ہوگا، اور اس سے صحیح تصویر ذہنوں میں ابھرے گی۔

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام (لکھنؤ) کے لئے یہ بڑی سعادت و فخر کی بات ہے کہ وہ اس رسالہ کو شائع کرے، جس میں سیرت پاک کے اس رخ کو زیادہ روشن کیا گیا ہے۔

وصلی اللہ علی خیر البشر محمد خاتم

النبین، وعلی آلہ وصحبہ اجمعین

محمد واضح رشید حسنی ندوی  
سکرٹری مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ

دوشنبہ ۹ ربیع الاول ۱۴۲۳ھ

## گہائے عقیدت

کچھ کفر نے فتنے پھیلائے کچھ ظلم نے شعلے بھڑکائے  
 سینوں میں عداوت جاگ اٹھی انسان سے انسان ٹکرائے  
 پامال کیا برباد کیا کمزور کو طاقت والوں نے  
 جب ظلم و ستم حد سے گزرے تشریف محمدؐ لے آئے  
 رحمت کی گھٹائیں لہرائیں، دنیا کی امیدیں بر آئیں  
 اکرام و عطا کی بارش کی، اخلاق کے موتی برسائے  
 تہذیب کی شمعیں روشن کیں، اونٹوں کے چرانے والوں نے  
 کانٹوں کو گلوں کی قیمت دی، ذروں کے مقدر چمکائے  
 اللہ سے رشتہ کو جوڑا، باطل کے طلسموں کو توڑا  
 خود وقت کے دھارے کو موڑا طوفان میں سفینے تیرائے  
 تلوار بھی دی، قرآن بھی دیا، دنیا بھی عطا کی عقبی بھی  
 مرنے کو شہادت فرمایا، جینے کے طریقے سمجھائے  
 مکہ کی زمیں اور عرش کہاں، دم بھر میں کہاں پل بھر میں کہاں  
 پتھر کو عطا کی گویائی اور چاند کے ٹکڑے فرمائے  
 مظلوموں کی فریاد سنی، مجبوروں کی غمخواری کی  
 زخموں پہ خنک مرہم رکھے، بے چین دلوں کے کام آئے  
 عورت کو حیا کی چادر دی، غیرت کا غازہ بھی بخشا  
 شیشوں میں نزاکت پیدا کی، کردار کے جوہر چمکائے  
 توحید کا دھارا رک نہ سکا، اسلام کا پرچم جھک نہ سکا  
 کفار بہت کچھ جھلائے، شیطان نے ہزاروں بل کھائے  
 اے نام محمد صلی علی ماہر کے لئے تو سب کچھ ہے  
 ہونٹوں پہ تبسم بھی آیا، آنکھوں میں بھی آنسوں بھر آئے

(ماہر القادری)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد المرسلين وخاتم النبيين سيدنا محمد بن عبد الله الامين وعلى آله وصحبه اجمعين وبعد،

انسانی مخلوق کو زندگی کے صحیح اور مناسب کردار کے راستہ پر چلانے کے لئے ان کا پروردگار خود انسانوں میں سے ایسے اشخاص کو مقرر فرماتا رہا ہے جو اس کے مفوضہ کام کو اخلاص و ہمت سے انجام دے سکیں، ہدایت کے اس اہم کام کے لئے پروردگار عالم کی طرف سے جو انسان مقرر ہوئے وہ نبی اور رسول کے لفظ سے یاد کئے جاتے رہے وہ اپنی نفسیاتی عقل و جسمانی خصوصیات میں مکمل اور اپنے ہم جنسوں میں فائق اور بلند خصوصیات کے حامل ہوتے تھے، یہ سلسلہ انسانوں کے مورث اعلیٰ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر سیدنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک قائم رہا، انبیاء میں اعلیٰ خصوصیات و صلاحیتوں کے ہونے کے اعتبار سے دیکھا جائے تو پیدا کئے جانے کے لحاظ سے حضرت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہر و باطن کو اللہ تعالیٰ نے سب انسانوں کے معاملہ میں بہتر ترین اور مکمل بنایا، اور اس کے لئے خاص

طور پر آپ کو زندگی کے مختلف و متنوع نشیب و فراز سے گذارا جو انسان میں مختلف حالات کو جھیلنے اور مناسب راہ نکالنے کے لئے معاون ہوتے ہیں، اولاً آپ کو یتیم پیدا کیا، پیدا ہونے کے بعد آپ کی نگاہ جب باشعور ہوئی تو آپ نے دیکھا کہ آپ کو سایہ پدری حاصل نہیں جب کہ سیکڑوں آپ کے ہم سنوں کو یہ حاصل ہے، یہ بات ایک معصوم اور صغیر السن بچہ کے قلب و ذہن کے لئے ایک بوجھ اور شکستہ دلی کا باعث ہوا کرتی ہے، پھر مزید یہ کہ چھ سال کی عمر میں ہی سایہ مادری بھی باقی نہ رہا۔ اور اس کے بعد پھر شفقت کرنے والے دادا بھی ۸ سال کی عمر میں موجود نہ رہے، ان محرومیوں کو اگر بچہ بحسن و خوبی نہ جھیل سکے تو اس کی زندگی کی راہ پیچیدہ ہو جاتی ہے، اور زندگی میں اس کی کامیابی مبہم ہو کر رہ جاتی ہے، لیکن اگر اس بوجھ کو خدا داد ہمت سے وہ جھیل لے تو اس کی شخصیت میں مشکل حالات کو جھیلنے اور ان میں ضرورت اور پسند کی راہ نکالنے کی خاصی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے، اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ہمت خصوصی طور پر عطا فرمائی جس کی بنا پر آپ میں حالات اور واقعات کے تقاضوں کو مناسب ڈھنگ سے محسوس کرنے اور زندگی کے چیلنجوں کا مناسب ڈھنگ سے مقابلہ کرنے کی سمجھ اور ہمت پیدا ہوئی اور جلد ہی آپ نے باعزت زندگی کی راہ اختیار کی، اور زندگی کو عزت نفس اور عالی ہمتی سے آراستہ فرمایا، مزید یہ کہ اللہ نے آپ میں زندگی اور کائنات کے سر بستہ راز کو سوچنے اور سمجھنے کی کوشش کا ذوق پیدا کیا چنانچہ آپ نبوت ملنے سے قبل ہی شہر کی آبادی سے نکل جاتے اور آبادی سے الگ ایک غار میں کچھ وقت گذارا کرتے، ظاہر ہے آپ کا تنہائی اور تخلیہ میں کچھ وقت گزارنے کا جذبہ و تقاضہ اعلیٰ حقیقت کی طلب اور اس کے سلسلہ میں غور و فکر کے لئے رہا ہوگا انہی جیسے احساسات کے نتیجے میں تھا، پھر چونکہ پروردگار عالم نے عربوں اور غیر عربوں کے حق اور خدا کی بندگی کی صحیح راہ سے بہک جانے کو دیکھتے ہوئے ان کی ہدایت کے لئے آپ

کو مقرر کرنا طے کیا، اس لئے پردہ غیب سے وہ اشارے آنے لگے اور نبوت ملنے سے قبل ہی حجر و شجر سے اللہ کے نبی کے عنوان سے مخاطب کرنے کی آوازیں بھی آنے لگیں جن کو سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تعجب سے متوجہ ہو جایا کرتے لیکن کوئی قائل نظر نہ آتا کانوں کو ان صدائوں سے آشنا کر دینے کے بعد باقاعدہ حضرت جبرئیل علیہ السلام ان صدائوں کی حقیقت لے کر آپ کے پاس آپ کے تخلیہ کی جگہ غارِ حرا پہنچے، اور نبوت کا پیغام پہنچایا، پھر وقت کے کچھ فرق سے اپنی اصل شکل میں بھی اُفتخ پر ظاہر ہوئے تاکہ ذہن کے کسی گوشہ میں پیغام خداوندی کے لانے والے اس فرشتہ کو نامعلوم محسوس کرنے کا کوئی شائبہ نہ رہ جائے۔

اس طرح آپ پر نبوت و رسالت کا وہ عظیم بار ڈالا گیا جو وسعت کے لحاظ سے دیگر تمام انبیاء پر نہیں ڈالا گیا تھا، جس کو آپ کے خداداد فراست رکھنے والے قلب و ذہن نے اس کی ذمہ دارانہ اہمیت کو محسوس کیا، اور آپ نے اپنی عاقل و مخلص اہل خانہ سے بھی اس واقعہ کا اور اس کے عظیم بوجھ محسوس کرنے کا تذکرہ کیا، انہوں نے تسکین دی اور آپ کی اعلیٰ انسانی صفات، کریم النفسی اور اعلیٰ انسانی کردار کی مثالوں کے حوالہ سے اس کو بلند اور مقدس ذمہ داری قرار دیا اور مزید تقویت کے لئے حضرت عیسیٰ کی تعلیمات سے آشنا اپنے بھائی ورقہ بن نوفل سے جا کر تصدیق کرائی، اللہ تعالیٰ نے آپ میں اس بار کے اٹھانے کی صلاحیت و ودیعت کی تھی، چنانچہ آپ نے اس بارِ عظیم کو یعنی عظیم دعوت دین کی خاردار گزرگاہوں میں چلنے کو ہمت و بلند نظری سے قبول کیا، اور ہمت اور عزیمت کے ساتھ نبھایا، آپ نے آغاز عمر سے ہی زندگی کی خاردار راہ کو طے کیا تھا۔

باپ کی طرف سے یتیمی کے مرحلہ سے آپ کو پیدائش سے قبل ہی سابقہ پڑا تھا، پھر ماں کی طرف سے یتیمی، پھر قرہ بنی مشفق و مربی یعنی دادا کی بھی ۸ سال کی عمر

تک پہنچنے پر جدائی ہوگئی، لیکن اللہ تعالیٰ کی نظر کرم رہی اور اس نے مشفق چچا عطا فرمایا جس کی ہمدردی و شفقت سے عمر کے پختہ ہو جانے کی مدت تک تعاون ملتا رہا اور جو نبوت ملنے کے بعد نبوت کے کام میں اپنوں کی دشمنی اور ایذا رسانی کو ناقابل برداشت حد تک پہنچنے سے بچانے میں معاون رہے، اسی کے ساتھ ساتھ آپ کو بفضل الہی ایک نہایت سمجھدار اور باہمت و ہمدرد صفت اہلیہ بھی ملیں، جنہوں نے آپ کا مشکلات کے موقعوں پر بہت ہمدردانہ ساتھ دیا لیکن رب العالمین نے دونوں کی طرف سے حصول ہمدردی کے اس مرحلہ میں کچھ عرصہ رکھنے کے بعد اس تعاون کی سہولت بھی آپ سے ہٹائی کہ آپ اس سے بھی مستغنی ہو کر اپنی راہ بنا سکیں اور اپنے خدا کی مدد پر انحصار کرتے ہوئے اب آپ صرف اپنے رب کی نگہبانی میں ہی مسئلہ حل کریں، جس نے یہ عظیم ذمہ داری ڈالی ہے اس کی طرف سے مدد ہوتی رہے گی لیکن صبر و ہمت اور تنہا اپنے رب پر بھروسہ کا ثبوت دینا ہوگا، چنانچہ آپ نے دعوت کے کام کی خاردار راہوں پر چلتے ہوئے نبوت کی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں صرف دس سال گزارے تھے کہ مذکورہ بالا دونوں مشفقانہ و ہمدردانہ تعاون کے سہارے بھی ختم ہو گئے، سخت آزمائش کے کئی موقعوں پر ایسے میں آپ کی شخصیت و صفت برداشت اس عظیم معیار کے مطابق ظاہر ہوئی، اگر نہ ظاہر ہوئی ہوتی تو شاید برداشت سے باہر ہو جاتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت کے اس عظیم منصب پر سرفراز کرایا تھا جس میں مشکل سے مشکل حالات کا بخوبی مقابلہ کرنے کی طاقت عطا کی تھی لہذا مکہ کے کافر آپ کو اور مسلمانوں کو اتنی ایذا پہنچاتے تھے کہ برداشت سے باہر ہو جاتا تھا یہ آپ کی تربیت اور تسکین صبر کے نتیجے میں تھا، ان کی اس ایذا رسانی سے بعض بعض کی موت تک واقع ہوئی ہے، خاص طور پر جو افراد قریشی خاندان کے نہ ہوتے یا غلام ہوتے ان کو حد سے زیادہ ایذا برداشت کرنا پڑتی، جیسے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے سلسلہ میں آیا ہے کہ گرم پتھر پر لٹائے جاتے

تھے اور گرم پتھر سے ان کے جسم کو داغا جاتا تھا کہ وہ، وہ نہ کہیں جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں لیکن وہ عزیمت کے پیکر تھے ”احدا حد“ یعنی خدا تو ایک ہی ہے خدا تو ایک ہی ہے“ کہتے، اور عقیدہ تو حید سے روگردانی نہ کرتے خاندانِ یاسر کے افراد کو تو اتنی ایذا دی جاتی کہ لوگوں کو دیکھنا مشکل ہو جاتا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کی طرف کسی وقت گزر ہوتا تو آپ فرماتے ”صبر یا آل یاسر موعد کم الجنة“ اے یاسر کے خاندان والو! صبر کرو تم کو جنت ملے گی“ حضرت یاسر ثنابت قدم رہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم تھا کہ صرف برداشت کرنا ہے بدلہ نہیں لینا ہے، اسی کے ساتھ ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوی تربیت و تعلیم اور اخلاق و محبت کی اثر انگیزی آپ کے رفقاء کے لئے ان ایذا رسانیوں میں صبر و ہمت پیدا کرتی تھی آغاز اسلام سے ۱۳ سال تک کی یہ مدت اسلامی دعوت و ایمانی تربیت کے ساتھ اسی صبر و برداشت میں گذری۔

ایک موقع پر ایک صحابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگے کہ یا رسول اللہ اب تو برداشت سے زیادہ ہو گیا ہے آپ نے فرمایا ابھی سے تم بے قرار ہو گئے تم سے پہلے کی امتوں پر ایسے ایسے حالات گذرے کہ ان کے بدن لوہے کی گنگھیوں سے نوچے گئے اور انہوں نے صبر کیا، صبر کرو تم اطمینان رکھو ایک وقت ایسا آئے گا کہ تم غالب ہو گے، اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کبھی گندگی ڈال دی جاتی تھی کبھی دوسری قسم کی ایذائیں پہنچائی جاتی تھیں کبھی راستہ پر کانٹے بچھائے جاتے تھے اور ایک موقع پر ابو جہل جو آپ کا بڑا مخالف، تھا آپ کے ساتھ بڑی ایذا رسانی سے پیش آیا آپ کو بہت تکلیف ہوئی لیکن آپ نے کچھ نہیں کیا، تھوڑی دیر میں آپ کے چچا حضرت حمزہؓ کو معلوم ہوا وہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، لیکن بھتیجے کے ساتھ بدسلوکی سن کر غصہ آ گیا اور جا کر ابو جہل کو زد و کوب کیا اور کہا کہ ہمت ہو تو ہمارے ساتھ کرو اور جوش میں آ کر مسلمان ہو گئے اور اسلام و مسلمانوں کی تقویت کا باعث بنے، اور ایک موقع پر

حضرت عمرؓ بن خطاب جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے بلکہ وہ اپنے ساتھیوں کی طرح اسلام دشمن بنے ہوئے تھے اور خاندان میں سخت دل مشہور تھے، کہنے سننے میں جوش میں آگئے اور کہنے لگے کہ ابھی جا کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کام تمام کر دیتا ہوں تا کہ قصہ ختم ہو، چنانچہ وہ لوگوں کے کہنے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کی نیت سے نکلے لیکن راستہ میں اپنی بہن کے گھر سے گزرے اور ان سے الجھے اور بہن کو مارا بھی پھر شرم آئی اور بات بنانے کے لئے کہنے لگے کہ اچھا وہ قرآن دکھاؤ جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ہے، اس کو پڑھنے پر دل پر اثر پڑا اور ان کی ترغیب پر مسلمان ہونے کی نیت کر لی، اور اپنے برے ارادہ سے باز آگئے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسلام کے اس تیرہ سالہ ابتدائی دور میں صرف صبر کرنے کا حکم تھا، فرمایا ”كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ“ اپنے ہاتھوں کو تھامے رکھو اور نماز قائم کرو یعنی رجوع الی اللہ اور دعا، عبادت سے قوت حاصل کرو، ایذا رسانوں کو برداشت کرو، انتقام نہ لو، چنانچہ تمام مسلمانوں نے اس حکم کی بجا آوری پوری اطاعت و اخلاص سے کی اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے ایمان اور اطاعت الہی کے راستے میں ہر طرح کی قربانی کے جذبہ کی تربیت حاصل کر لی، یہ ۱۳ سالہ دور مسلمانوں کے ایمان اور حق کے لئے ہر طرح کی قربانی برداشت کرنے کی تربیت کا دور تھا اور یہ دراصل ان کی اس غیر معمولی تربیت کا دور رہا جس کے بعد ان کو اپنے دین و ایمان کے لئے کسی طرح کی قربانی دینے میں تردد یا بے ہمتی دکھانے کی کمزوری باقی نہیں رہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو ایسی جماعت بننا تھا جو اللہ کے لئے اپنی جان و مال قربان کرنے میں کوئی جھجھک نہ رکھتی ہو، اور یہ بات اس امتحانی و تربیتی دور سے گذرنے پر مسلم معاشرہ کو بخوبی حاصل ہوگئی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال اس سلسلہ میں سب سے زیادہ معیاری تھی



مکہ کی زندگی میں دشمنانِ اسلام کا اصل نشانہ وہی رہے، آپ بیت اللہ شریف میں نماز پڑھنے آتے اور دشمنوں کی طرف سے سب و شتم سنتے اور نماز پڑھ کر خاموشی سے واپس چلے جاتے ذرا مشتعل نہ ہوتے، آپ کے کاندھوں پر اوجھڑی بھی ڈالی گئی جس کے اثر سے سجدہ سے اٹھنا مشکل ہو گیا، صاحبزادی صاحبہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو معلوم ہوا تو انھوں نے آ کر اس گندگی کو ہٹایا، راستے میں کانٹے بچھائے جاتے، آپ یہ سب خندہ پیشانی سے برداشت کرتے، آپ کی دو صاحبزادیوں کو جو ابولہب کے بیٹوں کی بیویاں تھیں ابولہب نے اپنے بیٹوں پر زور ڈال کر طلاق دلوا دی، اور ایک موقع پر قریش کے سب سردار ابوطالب کے پاس پہنچے اور ان سے سخت انداز میں کہا کہ اپنے بھتیجے کو روکیں ورنہ وہ لوگ کارروائی کریں گے، ابوطالب پریشان ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا اور کہا کہ بھتیجے! قوم کے سردار میرے پاس آئے تھے اور تمہارے سلسلہ میں منع کرنے کے لئے کہہ رہے تھے، میں بوڑھا ہو گیا، مخالفت زیادہ نہیں جھیل سکتا، مجھ پر رحم کرو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج ہوا کہ رعایت اور خیال کرنے والے چچا بھی اب ہمدردی سے منہ موڑ رہے ہیں آپ کو اپنے چچا سے ان کی ہمدردی اور شفقت طویل عرصہ سے مسلسل ملنے کی وجہ سے ان کی یہ معذرت بہت محسوس ہوئی، لیکن دین کا معاملہ تھا آپ نے فرمایا کہ میں اس کو تو نہیں چھوڑ سکتا خواہ یہ لوگ سورج و چاند توڑ لائیں اور میرے ہاتھ پر رکھ دیں، یہ فرما کر آپ لوٹنے لگے، چچا کی اس معذرت سے آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، چچا نے دیکھا ان کے دل پر اثر پڑا چنانچہ آواز دی بلایا اور کہا جاؤ تم کو نہیں چھوڑوں گا، خواہ یہ لوگ کچھ کہیں تم اپنا کام کرتے رہو، ایسی محبت و ہمدردی والا چچا لیکن جب ابوطالب کا انتقال ہونے لگا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سے کلمہ توحید کہنے کے خواہشمند ہوئے کہ آپ اتنا کہہ دیں باقی کے لئے میں اللہ تعالیٰ سے عرض کروں گا، لیکن انھوں نے قوم کی تنقید کے ڈر سے کلمہ پڑھنے کا عمل نہیں کیا، اگرچہ

حضرت عباسؓ نے یہ محسوس کیا کہ خاموشی سے انھوں نے وہ کلمہ پڑھا، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ میں نے نہیں سنا چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج ہوا لیکن دین کے بدلنے کے لئے ان کی مردت نہیں کی، اور نہ جبر سے کام لیا، کبھی اسلام کے حوالہ سے ابوطالب کے لئے توقع کا کوئی لفظ کہا اور اپنے والدین کے لئے دین کے معاملہ میں بھی کوئی ایسی بات نہیں فرمائی، آپؐ کی وہ ایمانی شان بھی جو آپ کے رسول آخر الزماں کے مقام کے لائق تھی کہ کوئی کتنا ہی محبوب اور عزیز ہو اسلام کے تقاضے کے خلاف کوئی رعایتی لفظ نہیں فرمایا، خواہ دنیاوی تعلق کیسا قریب اور خاندانی ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی میں کفار کی طرف سے ایذا رسانی اور اس کے لئے برداشت کے سلسلے میں جو سخت آزمائشی مواقع پیش آئے ان سے ذہنی پریشانی بھی بہت ہوتی، اور ابوطالب کے نہ رہنے سے بعض سنگین خطرات کا اندیشہ بھی بڑھ گیا، اس صورت میں آپ کو خیال آیا کہ مکہ کے ہمسر شہر طائف کی کسی بزرگ شخصیت کی انسانی ہمدردی اگر حاصل ہو جائے تو دعوت کے کام میں خطرات کی کمی ہو سکتی ہے، یہ صورت اس لئے بھی مناسب معلوم ہوئی کہ ایک ہی وقت میں آپ کے چچا اور آپ کی اہلیہ دونوں آپ سے جدا ہو گئے تھے اور آپ کو کسی مضبوط شخصیت کی ہمدردی و تعاون کے حصول کی ضرورت محسوس ہوئی تھی جس کی بنا پر، اور آپ کی نظر طائف پر پڑی جہاں اس علاقے کی بااثر خاندانی شخصیتوں میں کئی ایک تھیں آپ نے وہاں جا کر ان سے بات کرنے کا ارادہ کیا اور بروقت سفر کر کے وہاں تشریف لے گئے اور وہاں کے تین سربراہوں میں سے کسی ایک کی حق کی خاطر ہمدردی و حمایت چاہی، لیکن خدا کو یہاں بھی آپ کے عزم و استقامت اور صبر و برداشت کو ہی مقدم رکھنا تھا لہذا ان سے ہمدردی نہیں ملی اور انھوں نے مسافروں کے ساتھ کیا جانے والا عربی اخلاق بھی آپ کے ساتھ نہیں برتا، اور قریش کے مخالفانہ رویہ کو بنیاد بناتے ہوئے آپ سے

ہمدردی کرنے کو مسترد کر دیا بلکہ عام انسانی اخلاق کے برعکس شہر کے اوباش لوگوں کو پتھر مارنے پر لگا دیا جس سے آپ کے قدم مبارک لہولہان ہو گئے، پردیس میں اور ایسی بے بسی کی حالت دیکھ کر اللہ تعالیٰ کو خصوصی رحم آیا اور خصوصی مدد کی پیشکش ہوئی اور حضرت جبریل پیغام لائے کہ زلزلہ کے ذریعہ ان ظالموں کو سخت سزا دی جاسکتی ہے، لیکن آپ نے عبدیت کے اعلیٰ معیار کو ترجیح دی، سزا دینے کی فرمائش نہیں کی اور اپنی دعا میں صرف اپنی بے بسی کے اظہار کے ساتھ حق کے لئے صبر و برداشت اور اپنے رب کی خوشنودی ہی پر اکتفا کرنے کو اختیار کیا جس کا اظہار آپ کی اس دعا کے الفاظ سے ہوتا ہے جو اس موقع پر آپ نے ادا فرمایا۔

دوسرا موقع وہ آیا جب آپ کے خاندان نے آپ کی جان ہی لے لینے کا منصوبہ بنایا، اپنے بااثر مشفق چچا کے فوت ہو جانے کے بعد ہی سے آپ کے قبیلہ کے جانی دشمن حضرات مزید بیباک اور ظالم ہو گئے تھے، اب انھوں نے اس منصوبہ کو ایک رات انجام دینے کا پروگرام بنالیا ان کے اس مصمم ارادہ قتل اور اس کی کھلی ہوئی کوشش کے علم میں آنے پر جس کی اطلاع اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو ملی چنانچہ آپ نے اپنے رب کی اجازت سے رات کے اندھیرے میں وطن عزیز کو چھوڑ دینے کا فیصلہ کیا اور مدینہ منورہ کا سفر فرمایا جہاں کے لوگ پہلے سے ہمدردی اور تعاون کا یقین دلا چکے تھے، اور آپ کے وطن عزیز چھوڑ کر وہاں منتقل ہو جانے پر انھوں نے پورا تعاون بھی دیا، مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد پہلے اس شہر کے لوگوں کی ہمدردی سے مستفید ہونے لگی تھی، اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وہاں آ جانے سے مسلمانوں کی اپنی ایک جمعیت اور سوسائٹی قائم ہو گئی، جو باختیار زندگی کی سہولت رکھتی تھی، اور اپنا خود اختیاری نظام قائم کر سکتی تھی، لہذا یہاں سے مسلمانوں کی زندگی کا نیا دور شروع ہوا، آپ کا اور آپ کی زندگی کا نیا مرحلہ بھی راحت و عیش کا نہ تھا، یہ نیا مرحلہ بھی آزمائشوں اور مشکل حالات

سے گزرنے اور ایمان و یقین اور حکمت و صبر کی صفات کے ساتھ اس نظام زندگی کی دشواریوں سے گزرنے اور اس کے لائق حکمت عملی اختیار کرنے کا مرحلہ تھا، پہلا مرحلہ جو مکہ کا تیرہ سالہ مرحلہ تھا زندگی کی انفرادی مشکلات اور عزیز و اقارب کی عداوتوں اور ایذا رسانیوں کو پوری سیرِ چشمی کے ساتھ برداشت کرنے میں گزرا، ایمان و عزیمت، دعوت و تبلیغ اور مکارم اخلاق کا تھا جس میں ظلم کا جواب دینے یا اس کا انتقام لینے کی اجازت نہ تھی، اب نئے مرحلہ میں دعوت کے مقصد کو سینے سے لگائے ہوئے اجتماعی زندگی کو مرتب کرنے اور اس کے معاملات کو دین حق کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے انجام دینا تھا، اور عزیز و اقارب کے دائرہ سے آگے بڑھ کر مختلف النوع افراد اور جماعتوں اور مخالفتوں سے معاملہ تھا، یہ نظام زندگی بھی اپنی الگ نوع کی مشکلات رکھتا تھا، اور اس میں اجتماعی زندگی کے بھی چیلنج سامنے آرہے تھے، جن کا مقابلہ بھی کرنا تھا اور جواب بھی دینا تھا، مکہ کی زندگی میں مسلمان مغلوب اور کمزور تھے، لیکن آپ ایمان و عمل میں پختہ اور ناقابل شکست ہمت و عزیمت کے مالک تھے، مقابلہ میں کمزوری اور برداشت کے ساتھ عقیدہ و عمل میں ہمت و عزیمت کو بہت صبر و حکمت کے ساتھ جمع کئے ہوئے تھے، اب مدنی زندگی میں کمزوری کی جگہ اجتماعی طاقت حاصل ہو گئی تھی، اس کی بنا پر اپنے دشمنوں سے اجتماعی سطح پر معاملہ رکھنا تھا، اور ان کی دشمنی پر مناسب رد عمل ظاہر کرنا تھا، اس طرح سے ان نئے حالات میں نئے اسلوب و طریقہ سے ہمت و عزیمت کو اختیار کرنا تھا، سابقہ صورت حال بدل جانے کی دشواریوں میں تبدیلی نہیں آئی البتہ اب دشواریوں کا طرز دوسرا ہو گیا، اب اجتماعی نظام زندگی میں ابھرنے والی مشکلات سامنے آئیں جن کے لئے ہمت و عزیمت اور صبر و حکمت کی اسی طرح ضرورت باقی رہی جو پہلے تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو اس کے مطابق چلایا اور نظام زندگی کو نئے تقاضوں کے مطابق بنایا اور مشکلات کے مقابلہ میں

صبر و عزیمت کا پورا ثبوت دیا۔

مسلمانوں پر اب ان کے دشمن مسلح اجتماعی طاقت سے حملہ آور ہوتے اور آپ مسلمانوں کے ساتھ ان کا اسی کے مطابق مقابلہ کرتے، پھر خود شہر کے اندر اجتماعی زندگی میں انفرادی مخالفانہ جذبات و عزائم جو دشمن فرقے یہودیوں کی طرف سے اور منافقین کی طرف سے پیش آئے ان کو جھیلنے اور ان کے سلسلہ میں مناسب رویہ اختیار کرنے کا عمل نہایت تحمل کے ساتھ کبھی برداشت کے ساتھ کبھی جزم و حزم کے ساتھ اختیار کرتے۔

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے نہایت اعلیٰ اور جامع انسانی صفات عطا فرمائی تھیں، ایسی صفات کہ جن سے اپنے معاشرہ میں زبردست وقار قائم ہوا، اور پُر ہمت اور پُر عزیمت تقاضوں میں جن سے معاشرہ کے معاملات پڑ سکتے تھے، اس میں ہمت و عزیمت کے لحاظ سے کوئی کوتاہی بھی نہیں کی، اور اعلیٰ مقصد کے لئے اپنے عزیز اور قدردانوں سے کسی بھی اختلاف ہونے پر کریمانہ برتاؤ ہی اختیار کیا۔

زندگی کے مختلف مراحل میں جیسا جیسا تقاضا پیدا ہوا، اس کو اعلیٰ اصول اور مقصد بلند کے بموجب ذمہ داری، بخوبی انجام دی، زندگی کے شعور کا زمانہ جو عموماً انسان کے چھ سالہ عمر سے شروع ہوتا ہے، آپ کے لئے حالات بالکل ناسازگار تھے، ماں باپ دونوں سے محرومی ہو چکی تھی، لیکن آپ نے اپنی شخصیت کی تعمیر میں اس کو اثر انداز نہیں ہونے دیا، اور قریب تر اعزہ سے جو محبت مل سکتی تھی اسی سے کام چلایا، آغاز جوانی تک اپنے شریفانہ اخلاق کو اپنے پورے معاشرہ میں تسلیم کرایا، اور عملی زندگی میں عاشر کی ضرورت کو شریفانہ انداز میں پورا کیا اور عائلی زندگی بھی اچھے معیار سے شروع کی، اور نبوت کی ذمہ داری ملنے پر اس کے اعلیٰ تقاضوں کو بخوبی پورا کیا، اور اس سلسلہ

میں جو مصائب پیش آئے خندہ پیشانی سے گوارا کیا، بالآخر مخالفوں نے آپ کی زندگی ہی کو جب ختم کرنے کا تہیہ کر لیا تو نقل مکانی کی اور نیا دور شروع کیا، یہ سب اللہ تعالیٰ کے خصوصی نظام کے تحت انجام پایا جس کو اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے حبیب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالضُّحٰی وَاللَّیْلِ اِذَا سَجٰی . مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰی °  
 وَاَلَا خَیْرَةٌ خَیْرٌ لَّكَ مِنَ الْاَوْلٰی . وَاَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ  
 رَبُّكَ فَتَرْضٰی . اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَاَوْی . وَاَوْجَدَكَ  
 ضَالًّا فَهَدٰی . وَاَوْجَدَكَ عَائِلًا فَاَغْنٰی . فَاَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا  
 تُقَهِّرُ . وَاَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرُ . وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ  
 فَحَدِّثْ . (سورۃ الضحٰی)

جس کا مجموعی مفہوم حسب ذیل ہے:

اس سورہ میں دن کے آغاز اور رات کے سکون کے حوالے سے کہ جو انسان کے دن کے حرکت و عمل اور پھر رات کے آرام اور سکون کے مفہوم پر دلالت کرتے ہیں، فرمایا گیا کہ آپ کو آپ کے رب نے چھوڑ نہیں دیا ہے، نظر انداز نہیں کر دیا ہے اور نہ اپنی پسند سے ہٹایا ہے، البتہ آخرت کا معاملہ آپ کے لئے اس زندگی کے معاملہ سے زیادہ بہتری کا ہے، اور آپ کو عنقریب آپ کا رب اتنا عطا فرمائے گا کہ آپ خوش ہو جائیں گے، کیا آپ دیکھتے نہیں کہ ہم نے آپ کو یتیم پایا تو آپ کے لئے ٹھکانہ کا انتظام کیا، اور آپ کو گم گشتہ راہ پایا تو آپ کو صحیح راہ پر ڈالا، اور آپ کو معاشی لحاظ سے دوسروں کا دست نگر

پایا تو آپ کو مستغنی اور خود کفیل کر دیا، اب اس کا آپ خیال رکھیں کہ یتیم پر سختی نہ کریں، اور مانگنے والے کو جھڑکیں نہیں اور آپ پر آپ کے رب کے جو احسان ہیں (یعنی نبوت کا احسان اور دوسرے احسان) اس کا آپ تذکرہ کریں اور لوگوں کو بتائیں (یعنی ان کو راہ حق کی طرف متوجہ کریں۔

مکہ مکرمہ میں جب دشمنی برداشت کرنے میں حد سے بات آگے بڑھ گئی تو آپ اپنے رب کے حکم سے مدینہ منورہ منتقل ہوئے لیکن مکہ کے دشمنوں نے آپ کے مدینہ چلے جانے پر بھی آپ سے دشمنی ترک نہیں کی اور باقاعدہ جنگ کے حالات پیدا کرنے لگے، چنانچہ یکے بعد دیگرے مسلمانوں پر جنگ مسلط کی پہلی جنگ کفار قریش نے تین سو کیلومیٹر کا فاصلہ طے کر کے مدینہ منورہ سے صرف ڈیڑھ سو کیلومیٹر کے قریب پہنچ کر اور دوسری جنگ ساڑھے چار سو کیلومیٹر طے کر کے مدینہ طیبہ پہنچ کر کی، اسی طرح جنگیں ہوتی رہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم حکمت و تدبیر سے اور اعلیٰ انسانی کردار کے ساتھ مقابلہ کرتے رہے، مدینہ منورہ میں یہود کی ایک تعداد بھی تھی جن سے آپ نے معاہدہ کیا تھا، لیکن اندر سے یہود نے کفار مکہ سے سازش کی جس کے ثابت ہونے پر معاہدہ کی خلاف ورزی کی بنا پر ان کے خلاف بھی کارروائی کرنی پڑی، یہ سب ایسی حکمت و تدبیر سے آپ نے کیا کہ اس میں عقل و حکمت، انسانیت و شرافت دوست و دشمن کا لحاظ اور ممکنہ انسانی رعایت سب کی اعلیٰ مثالیں ملتی ہیں، اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے چاروں دور، بچپن سے لے کر جوانی تک جوانی سے نبوت کے ملنے تک اور نبوت کا اکی دور اور پھر مدنی دور، یہ سب اعلیٰ کردار نیک نفسی، سمجھداری زندگی کے تقاضوں کو مناسب انسانی اصولوں کے مطابق پورا کرنے، پھر معاشرہ کے تعلقات اور روابط اور پھر منفی و مثبت دونوں حالات کا مناسب ڈھنگ سے حق ا

کرنے اور دوست و دشمن کے ساتھ الگ الگ لیکن شریفانہ انسانی کردار کے دائرہ میں رہتے ہوئے معاملہ کرنے کے، ایسے غیر معمولی اور مثالی نمونے پیش کئے گئے کہ غور کرنے پر عقل دنگ رہ جاتی ہے، ان مثالوں کو اگر وضاحت کیساتھ پیش کیا جائے تو چند سطریں نہیں کتاب کی جلدیں چاہئیں، ہم کو سیرت کا مطالعہ اس کے مختلف حالات کے ان پہلوؤں کو سامنے رکھتے ہوئے کرنا چاہئے تو ہمارے سامنے ایک عظیم دنیائے انسانیت کھل کر سامنے آتی ہے، اور مسلمان کے لئے زندگی کے ہر مرحلہ میں اور ہر طرح کے حالات میں یہ باتیں اعلیٰ نمونہ بنتی ہیں اور ان کو نمونہ بنانے کا قرآن مجید میں بھی حکم آیا ہے، ارشادِ باری ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن  
كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا۔

(سورہ احزاب: ۲۱)

”تم لوگوں کے لئے یعنی ایسے شخص کے لئے جو اللہ سے اور روز  
آخرت سے ڈرتا ہو اور کثرت سے ذکر الہی کرتا ہو رسول اللہ کا ایک  
عمدہ نمونہ ہے۔“

مدینہ منورہ میں اپنے ماننے والوں کی اکثریت اور سازگار ماحول قائم  
ہو جانے سے دین پر اسلام کے تقاضوں کے مطابق اجتماعی و معاشرتی زندگی قائم  
کرنے کی سہولت حاصل ہوئی اور دین حق کی دعوت زیادہ وسیع طریقہ سے پہنچانے کا  
موقع ملا، اس طریقہ سے مکمل دین حق کو انفرادی و اجتماعی زندگی میں قائم کیا گیا، اور  
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی الہی کی رہنمائی میں اور اپنے نبوی طریقہ کار سے اعلیٰ  
انسانی اور ربانی خصوصیات کا معاشرہ تیار کیا جس کے اقتدار اور طریقہ ہائے عمل صرف  
معین ہی نہیں کئے بلکہ ان کی تربیت دی جس میں اعلیٰ اخلاق، معیاری انسانی کردار،



ایک دوسرے کی ہمدردی اور خیر خواہی اور حق کے راستہ سے بھٹکے ہوئے انسانوں تک کو دین و آخرت کی کامیابی کا پیغام پہنچایا، اور محدود دائرہ سے نکل کر وسیع تر پورے ملکی دائرے بلکہ مزید عالمی دائرہ تک انسانی صلاح و فلاح کا پیغام پہنچانے کا کام شروع ہو گیا۔

اس کے لئے یہ سمجھنے کی بھی ضرورت ہے کہ غزوہ بدر جو کہ جنگ اور جہاد کا پہلا واقعہ ہے۔ ۱۳ رسال کی مکی زندگی میں مسلسل اور سخت سے سخت تکلیفیں جھیلنے اور ظلم و تشدد برداشت کرنے اور یک طرفہ صبر و برداشت کا ثبوت دیتے ہوئے بالآخر وطن و مال و متاع کو خیر باد کہہ کر منتقل ہو جانے پر مجبور ہونے کے بعد پیش آیا، مکہ کی ۱۳ سالہ مدت میں مسلمانوں کو مشرکین مکہ کی طرف سے کئے جانے والے ہر ظلم کو برداشت کرتے رہنے کی تلقین کی گئی تھی، جس کا ذکر گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے وہ یہ کہ ”اپنے ہاتھ روکے رکھو اور نماز قائم کرتے رہو“ چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا ایک ذرہ بھی انتقام یا مقابلہ کا طریقہ اختیار نہیں کیا اور صرف اپنی اصلاح اور دوسروں کو نصیحت پر اکتفا کرتے رہے، لیکن جب وطن چھوڑ کر پردیس میں مقیم ہو جانے پر بھی ظلم و زیادتی وہاں تک پہنچانے کی کوشش ہونے لگی تو مسلمانوں کو اجازت ملی کہ وہ اپنے کو منظم کر کے مقابلہ کر سکتے ہیں، چنانچہ دشمنی کا جواب دینے کا یہ پہلا موقع تھا، جو بدر میں پیش آیا، وہ محض اللہ کے بھروسہ پر میدان جنگ میں آئے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خصوصی مدد آئی، فرشتوں نے باقاعدہ جنگ میں شرکت کی اور مشرکین کی فوج کو کھلی شکست ہوئی اور مسلمانوں کو ۱۳ رسال کی مشقتوں کا پہلی بار صلہ ملا، یہ صلہ تین خصوصیات کا حامل تھا۔ پہلی خصوصیت تو یہ کہ ۱۳ رسال تک تکلیف دہ حالات میں بھی اعلیٰ کردار اور انسانیت نوازی پر قائم رہے، اور محض حکم الہی کی تعمیل میں سخت سے سخت زیادتی کا بھی جواب دینے سے گریز کرتے رہے اور انتقامی کارروائی کے لئے حکم الہی کے منتظر رہے،

چنانچہ اللہ تعالیٰ کے حکموں پر پوری عملداری میں صبر و برداشت کا ثبوت دینے کے امتحان میں وہ سو فیصد کامیاب رہے، ان میں وہ اعتماد پیدا ہوا۔ جس نے ان کی آئندہ کی زندگی کو جدوجہد کی راہ میں ان کے قدموں کو مضبوط بنایا اور ہمت بڑھائی، اور وہ اپنے پروردگار کے فرمانبردار بندے ہونے کے ساتھ ایک ناقابل شکست طاقت بن گئے۔

دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس صبر و ثبات اور حق کے لئے جانی و مالی تکلیف اٹھانے کو قبول فرمایا اور ان کو جنت کا مستحق قرار دیا، جو نہایت غیر معمولی بشارت اور خوش خبری کی بات ہے۔

تیسرے یہ کہ دشمن کی دشمنی کا جواب دینے کی اجازت ملنے پر ان کو مقابلہ کا موقع ملا اور اس دشمن کو جو کبر و نخوت اور ظلم و تشدد میں شیر بنا ہوا تھا، مسلمانوں کے مظلوم ہاتھوں سے شکست ہوئی اور دشمن کے سامنے اپنے کو سر بلند کرنے اور اعتماد کے ساتھ مقابلہ کرنے کی قوت حاصل ہوئی، مسلمانوں کو اپنے دین کی عظیم قدروں کی پابندی کرنے پر ان کو بدر کی فتح کی صورت میں مذکورہ بالا فائدے حاصل ہوئے اور وہ طاقتور اور پر وقار امت ہوئے، پھر وہ دشمنوں کا مقابلہ کامیابی کے ساتھ کرتے ہوئے، ۸ھ میں مکہ مکرمہ میں فاتحانہ داخل ہونے کے لائق ہوئے اور یہ فتح انہوں نے بغیر جنگ اور بغیر فوج کشی کے حاصل کی، اور انہوں نے دیکھا کہ اعلیٰ قدروں پر قائم رہتے ہوئے اعلیٰ کردار پر عمل کرنے سے وہ کامیابی ملتی ہے جو محض طاقت کے انحصار سے نہیں ہوتی۔

سیرت کا پورا جائزہ لینے سے یہ بات صاف اور نمایاں نظر آتی ہے کہ انسانی معاشرہ کے بھٹکتے ہوئے معاشرے کو راہ حق پر لگانا اور انسان کو حیوانی بھٹکتی ہوئی راہوں سے ہٹا کر اپنے خالق و مالک کے احکام کی تابعداری اور شریفانہ انسانی کردار آپسی انسانی ہمدردی اور انسان کے اشرف المخلوقات ہونے کے لائق صفات و اخلاق اختیار کرنے کی دعوت اور اس کے لئے انتھک کوشش مقصد بنی ہوئی تھی اور سیرت کا مطالعہ

کرنے والے کو سارے واقعات اسی کے گرد گردش کرتے نظر آتے ہیں، اور یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ مقابلہ و جنگ بہت محدود اور اعلیٰ انسانی اخلاق کے دائرہ کے اندر رہتے ہوئے کی گئی، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے واقعات اور حالات آپ کے رب کی طرف سے ایسے تشکیل دیئے گئے کہ قیامت تک آنے والے مسلمانوں کے لئے زندگی کے ہر موڑ اور ہر صورت حال میں ان سے نمونہ مل سکے، اس کے لئے ایسے نمونے رہتی دنیا تک مہیا کئے جانے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مشقتوں سے بھی گذارا گیا، شخصی نقصانات سے بھی گذارا گیا، تکلیف و مشقت اور راحت و مسرت دونوں طرح کے حالات سے گذارا گیا، اس طرح آپ کی حیات طیبہ ساری انسانی برادری کے لئے اعلیٰ مثال بھی ہے اور تعلیم و تربیت اور حق کی رہنمائی کا بہترین اور اعلیٰ ذریعہ بھی ہے۔

صلی اللہ علیہ وسلم تسليماً كثيراً كثيراً۔

آپ پر ہزاروں درود و سلام ہو، کہ امت کے فائدہ کے لئے اور رہنمائی کے لئے آپ کو سب تکلیفیں اٹھانی پڑیں اور اعلیٰ صبر و رضا اور وسیع القلبی کا ثبوت بھی دینا پڑا۔



# سیرت پاک اہل ایمان کے لئے

## جامع و کامل نمونہ

حضور رسول اکرم سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسانوں کا ایسا قائد، معلم، اور مربی بنایا تھا کہ جس کے اثرات حیرت انگیز طریقہ سے سامنے آئے تھے بڑے سے بڑا مخالف اگر دل میں خصوصی عناد نہ رکھتا، ہو تو آپؐ چہرہ مبارک کو دیکھ کر اور آپؐ کی زبان مبارک سے دو جملے سن کر فریفتہ ہو جاتا تھا، کتنی ایسی مثالیں ہیں کہ آپؐ کا مخالف قتل کی نیت سے آیا، لیکن عناد نہیں تھا، ناواقفیت تھی آپؐ کو دیکھتے ہی، آپؐ کے دو لفظ سنتے ہی صرف نیت نہیں بدل گئی بلکہ فوراً ایمان لے آیا۔

آپؐ کے اخلاق کریمانہ نوعمری ہی سے تھے جن کی بنا پر سب آپؐ کی تعریف ہی کرتے تھے، بلکہ آپؐ کا خطاب ہی ”الامین“ پڑ گیا تھا، کہ امانتدار، اور اس کا اظہار اس سے ہوتا، کہ بیت اللہ شریف کی تعمیر جدید میں جب حجر اسود کے نصب کرنے کے سلسلہ میں سخت اختلاف ہوا تو آخر میں قریش کے ایک محترم بوڑھے شخص نے یہ حل

نکالا کہ اگلے روز صبح سب سے پہلے جو کعبہ میں پہنچے اس کو حکم بنا کر فیصلہ کرایا جائے گا، صبح سب سے پہلے آپ کا پہنچنا ہوا، لوگوں کو جب معلوم ہوا کہ سب سے پہلے پہنچنے والے آپ ہیں تو سب نے خوشی سے کہا کہ یہ تو امین ہیں۔ ہم ان کے فیصلے پر راضی ہیں اور آپ نے بہترین فیصلہ بھی فرمایا جس سے ہر قبیلہ کو ہاتھ لگانے کا موقع مل گیا، اور نبوت ملنے کے بعد کہ جب کہ آپ کو امانتدار، کریم الاخلاق اور شرافت کا پیکر سمجھے ہوئے آپ کے دین حق کے اعلان سے ناراض ہو کر سخت اظہار ناراضی کرتے تھے، جو بڑھتے بڑھتے دشمنی اور قتل کر دینے کے ارادہ تک پہنچا، اس وقت بھی بہت سے لوگوں کی امانتیں آپ کے پاس تھیں اور لوگ آپ پر امانت کے معاملے میں مطمئن تھے اور آپ نے بھی ان قتل کا ارادہ کرنے والوں کی امانتیں بحسبہ واپس کرنے کا انتظام کر کے ہی مکہ چھوڑا کہ کسی کا حق نہ رہ جائے۔

آپ کے کریمانہ اخلاق ایسے معیار تک پہنچے ہوئے تھے کہ جس سے بہتر انسانوں کے لئے ہونہیں سکتا، اور ان میں ایک خاص خصوصیت یہ تھی کہ جہدلی، محبت، اور اخلاق کے ساتھ ساتھ ایمان اور توحید خالص کے تقاضوں کے بھی مکمل معیار کو قائم رکھا گیا تھا، آپ دعوت حق کے معاملہ میں جبر نہیں کرتے تھے صرف دعوت دیتے تھے اور سمجھانے کی کوشش کرتے، ایک غزوہ کے موقع پر جنگل میں ایک درخت کے نیچے دو پہر کے وقت آپ تنہا آرام فرما رہے تھے، آپ کی تلوار درخت کی شاخ سے لٹک رہی تھی ایک مخالف وہاں پہنچ گیا، اور تلوار لے کر آپ کو جگایا اور کہا کہ تم کو اب کون مجھ سے بچائے گا آپ نے پورے اعتماد سے فرمایا کہ: اللہ!!

آپ کے پر اعتماد لفظ ”اللہ“ کا اثر یہ پڑا کہ وہ مرعوب ہو گیا، تلوار ہاتھ سے گر گئی آپ نے فوراً اٹھالی اور انھا کر فرمایا کہ: اب تم کو کون بچائے گا، اس نے خوشامد کرتے ہوئے کہا کہ کرم فرمائی کیجئے، آپ نے فرمایا کہ کیا ایمان لاتے ہو، اس نے کہا

کہ ایمان تو نہیں لاتا، لیکن آپ کی مخالفت اب نہیں کروں گا، آپ نے اس کو چھوڑ دیا، نہ اس کو سزا دی اور نہ اس پر ایمان لانے کے لئے جبر کیا۔

آپ کا طریقہ صحابہ کرام کے ساتھ بھائیوں جیسا ہوتا تھا، گفتگو ان سے بھائیوں کی طرح کرتے، خوشی کی بات ہوتی اسے ظاہر کرتے، فکر کی بات ہوتی اسے ظاہر کرتے، مشورہ کی بات ہوتی مشورہ لیتے اپنی بڑائی کا مظاہرہ نہ کرتے، حالانکہ اللہ کی طرف سے آپ بڑے بنائے گئے تھے، اور اللہ کا حکم تھا کہ ان کو بڑا سمجھو، ان کے سامنے زور سے نہ بولو، ان کے ساتھ معاملہ کرنے میں خیال رکھو کہ تمہاری وجہ سے ان کو زحمت تو نہیں ہو رہی ہے، قرآن مجید میں اس سلسلہ میں صاف احکام آئے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان احکام کا پورا لحاظ کرتے تھے، لیکن آپ ایسا معاملہ کرتے تھے، جیسے اس طرح کے احکام آئے ہی نہیں، آپ کو زحمت بھی ہوتی آپ برداشت کر لیتے، آپ نہ شکوہ شکایت کرتے اور نہ تنبیہ کرتے، حد یہ ہے کہ ایک مثال ایسی سامنے آئی کہ آخری عمر میں آپ نے یہ فرمایا کہ بھائیو! مجھ سے اگر کسی کو کوئی تکلیف پہنچی ہو تو اس کا بدلہ یہیں لے لے ایک صحابی نے کہا کہ ایک مرتبہ آپ نے اپنی سواری پر کوڑا اٹھایا جو میری پیٹھ پر لگ گیا، آپ نے اظہار ناگواری کئے بغیر اپنی پیٹھ کھول دی اور فرمایا کہ مار لو، عجیب و غریب واقعہ تھا کہ آپ نے یہ بھی نہ کہا کہ بلا ارادہ لگا ہوگا، اچھا معاف کر دو، بلکہ قصاص کے لئے تیار ہو گئے صحابی بھی تو صحابی تھے، انھوں نے فوراً پیٹھ کو چوم لیا اور کہا کہ میں نے اسی لئے یہ بات کہی تھی کہ پیٹھ چومنے کا موقع مل جائے ایک موقع پر ایک خاتون پر چوری کا الزام لگا، اس کے بعض اعزہ نے یہ چاہا کہ وہ قصاص سے بچ جائے آپ نے فرمایا کہ حکم الہی حکم الہی ہے اور کہا کہ میری بیٹی فاطمہ بھی مرتکب ہوتی تو میں یہ حد قائم کرتا، آپ کو اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ سے بیٹی ہونے کی وجہ سے انتہائی محبت تھی لیکن ایک موقع پر گھر یلو کام کرتے کرتے ہاتھوں پر گٹے پڑنے لگے اور دوسری

طرف باندی غلام آئے جو خدمت گار کے طور پر تقسیم ہو رہے تھے انھوں نے جا کر عرض کیا کہ مجھ کو بھی کوئی باندی مل جاتی تو آسانی ہو جاتی آپ نے معذرت کر دی اور پڑھنے کو کچھ ذکر و تسبیح بتا دیا، اور آخرت کے فائدے پر اس کو موخر کر دیا، آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم خورد سالی میں انتقال کر گئے، بحیثیت انسان کے یہ بڑا پر ملال موقع تھا اور اتفاق سے اسی موقع پر سورج گرہن بھی ہوا لوگوں نے یہ سمجھا کہ یہ اس بڑے حادثہ کے اثر سے ہوا ہوگا، آپ نے اس کو توحید کے عقیدے کا خیال کرتے ہوئے کھلا اعلان فرمایا کہ گرہن اللہ کی نشانی ہے، اس کا کسی کے مرنے یا جینے سے تعلق نہیں، اور اس طرح آپ کی محبت پدری نے اس اثر انگیز موقع پر بھی توحید خالص پر بال نہیں آنے دیا، البتہ محبت پدری میں اظہار رنج فرمایا، لیکن ایسے جامع الفاظ میں کہ اس میں ادنیٰ شکوہ نہیں صرف انسانی جذبہ پدری کا اظہار تھا اپنے صاحبزادے کو دیکھ کر فرمایا کہ آنکھ سے آنسو آرہے ہیں دل غمزدہ ہے لیکن میں وہی کہوں گا جس سے میرا رب راضی ہو، میں تمہاری جدائی سے اے ابراہیم رنجیدہ ہوں۔

اظہار غم بھی ہوا، لیکن اپنے خالق اور رب کی مرضی پر رضامندی بھی ہوئی، اسی سے ملتا جلتا معاملہ جس میں جائز بشری رنج کی اجازت ہے آپ کے ایک نواسہ کے سلسلہ میں پیش آیا، کہ اس کے انتقال کے موقع پر آپ کی صاحبزادی (حضرت زینب رضی اللہ عنہا) نے آپ کو بلوایا کہ بچہ کا آخری وقت ہے، آپ تشریف لائے اور بچہ کو گود میں لیا، بچہ کی روح نے پرواز کی آپ کی آنکھ میں آنسو آگئے ایک صحابی نے عرض کیا یہ کیا رسول اللہ! آپ نے فرمایا یہ رحمہ لی ہے جو اللہ نے اپنے بندوں میں رکھی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے رحمتوں پر رحم فرماتا ہے۔

یہ جامعیت کہ انسان کی حیثیت سے انسان لیکن نبی اور مومن ہونے کی بنا پر ایمان و توکل کے مکمل معیار کو برقرار رکھنا فطری جذبات رکھنے کے ساتھ ساتھ کسی وقت

بھی جذبات سے مغلوب ہو کر ایمان و توکل کی لکیر سے بال برابر بھی نہ ہٹنا یہ آپ کے مختلف موقعوں پر صاف دیکھا جاسکتا ہے، خود طائف کا واقعہ جس کو آپ نے ایک موقع پر اپنی زندگی کا سخت ترین واقعہ بتایا اس میں بھی انتہائی کرب و مایوسی کی حالت میں اپنے خدا سے جو فریاد کی وہ دونوں پہلوؤں میں انتہائی توازن و احتیاط کی تھی، اس فریاد میں آپ نے فرمایا، اے پروردگار! تو مجھے کس کے حوالہ کر رہا ہے، ایسے دشمن کے حوالہ کہ جو میرے ساتھ سخت ترین برتاؤ کرے یا ایسے غیر کے حوالہ جو مجھ سے برے طریقہ سے پیش آئے، لیکن اگر تیری مرضی یہی ہے تو میں راضی ہوں، البتہ اگر تکلیف کو دور کر دیا جائے تو میرے لئے قابل ترجیح ہے بہر حال میں تو تجھ کو راضی کرنے کی ہی کوشش کرتا رہوں گا تا آنکہ تو راضی ہو جائے تیرے علاوہ کوئی سہارا اور طاقت نہیں۔

تکلیف اور رنج کے موقع کی یہ مثالیں جو جامعیت رکھتی ہیں آپ کی حیات طیبہ میں مسرت اور خوشی کے موقع کی مثالیں بھی اسی طرح جامعیت رکھنے والی ہیں، بہر حال سیرت کے مطالعہ سے عجیب عجیب مثالیں سامنے آتی ہیں، اور یہ سب اللہ کی طرف سے آپ کی حیات طیبہ میں رکھی گئیں تاکہ تاقیامت آپ کے امتی ان کی نقل کرنے کی اور اس معیار کی طرف بڑھنے اور کوشش کرنے کے لئے اپنا اسوہ بنا سکیں کیونکہ نبی آخر الزماں محبوب خدا کا اسوہ مومنین کی اتباع اور ان کی سنت پر عمل اہل ایمان کے لئے ممکن العمل اور آسان ہے اور آخرت میں کامیابی کا ذریعہ ثابت ہو۔

اللہ تعالیٰ کے لاکھوں درود و سلام ہوں آپ پر، اور آپ کے آل و ازواج و اصحاب پر، اور ہزار ہا رحمتیں ہوں آپ کے تابعین پر۔





## عید میلاد النبی ﷺ کا پیغام

ماہ ربیع الاول میں ولادت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد اس تاریخ کی یاد ہے جس میں ساری کائنات کے لئے رحمت بن کر آنے والے اور ساری خلق خدا کو اپنے پروردگار سے جوڑنے اور ابدی پیغام رحمت سنانے والے، اپنے رب کے آخری فرستادہ سید الخلق، خیر البشر حضرت سیدنا محمد بن عبد اللہ علیہ الف تحیۃ و السلام اس عالم رنگ و بو میں تشریف لائے، ان کی وجہ سے اس عالم میں جو کہ نبیوں کی آمد کے انقطاع اور شیطان کی سرکردگی کے ہر چہاں طرف عام ہو جانے سے ظلمت کدہ بن چکا تھا، اور اس زمین کے خالق کی نظر میں اس زمین کے رہنے والوں کی گمراہی عام نفرت کا باعث بن چکی تھی، رب العالمین کی رحمت جوش میں آئی اور اس زمین کی جو ظلمت کدہ معصیت بن رہی تھی اس کو بچانے کا فیصلہ ہوا، چنانچہ رب العالمین نے اس میں اپنے آخری اور برگزیدہ نبی کو مبعوث فرمایا، آپ عظیم الشان اور پوری کائنات کے لئے رحمت خداوندی تھے، جس کو خود رب العالمین نے فرمایا:

”وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ“

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاں رحمتہ للعالمین فرمایا گیا وہاں

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ  
الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا“ (آیت) یعنی فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سب کے  
لئے قابل اتباع و عملی نمونہ ہیں، ہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کی جن  
باتوں کو سنتے اور معلوم کرتے ہیں تو وہ ایک مسلمان کی زندگی کے لئے اس کی انسانی  
زندگی کے متنوع اور مختلف نشیب و فراز میں رہنمائی کرنے والے نمونے پیش کرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی آخر الزماں سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی  
زندگی کو ایسے مختلف حالات عطا فرمائے ہیں کہ جن میں تاقیامت پیش آنے والے  
مسلمانوں کی انسانی زندگی کو ایسی رہنمائی مل سکے، اور مسلمان اپنے کو ان سے روشنی  
حاصل کر کے صحیح راہ پر چلا سکے، جو راہ اس کے لئے دنیا میں خیر کا باعث ہو اور  
آخرت میں کامیابی کا ذریعہ بنے لہذا ہم کو سیرت کی یادگار محفلوں میں حضور خاتم  
الرسال حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر پاک تک محدود نہ رہنا چاہئے، بلکہ  
آپ کی حیات طیبہ کے مختلف انسانی اور نبوی حالات سے ہماری زندگیوں کو منور  
کرنے والی جو روشنی ملتی ہے اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، اس سے  
ایک طرف ہماری زندگی دین و دنیا کے اعتبار سے صالح اور پاک زندگی بنے گی اور  
دوسری طرف زندگی کی جو مشکلات ہیں اور شب و روز کے انسانی معاشرہ کے بدلتے  
ہوئے حالات اور تغیرات ہیں ان میں بہتر حل کو سمجھنے اور اختیار کرنے کے لئے  
رہنمائی ملے گی، اس طرح سیرت پاک کا مطالعہ اور اس کی یاد کے مبارک جلسے  
صرف روحانی مسرت اور قلب و ذہن کو قوت و مسرت ہی دینے والے نہ رہیں گے  
بلکہ ان میں ہمارے لئے بحیثیت امت مسلمہ اور بحیثیت مسلم افراد کے کامیاب اور  
باعث طمانیت زندگی کے لئے رہنمائی بھی ملے گی۔

اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو خیر امت

اور امت وسط بنایا ہے، اس کو تمام امتوں پر گواہ اور انکار ہبر بنایا ہے، یہ امت دعوت ہے، اس کی عزت و حفاظت امت دعوت ہونے میں ہے، اور اسی خصوصیت کے ساتھ اس کے عروج و زوال کے مواقع وابستہ رہے ہیں، اس کے اس عظیم مرتبہ کی بنا پر اس کو دوسری امتوں کے مقابلہ میں زیادہ مشکلات اور زیادہ ذمہ دارانہ مہمات سے سابقہ پڑتا رہا ہے، اور اس امت نے اپنے نبی کی ہدایات اور ان کی تربیت دی ہوئی جماعت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کی راہ اختیار کرنے والے تمام رہنمایان ملت کے نقش قدم پر چل کر بڑے کارنامے انجام دیئے ہیں اور مشکل سے مشکل حالات کو سنبھالا ہے اور یہ راستہ برابر کھلا ہوا ہے، اہل عزیمت و دانائے راز دین و ملت، اسوۂ نبوی و اسوۂ صحابہ کی روشنی میں اس راستہ پر اپنی سابقہ تاریخ میں چلے ہیں اور اس سلسلہ کو برابر جاری اور قائم رکھنے میں ہی کامیابی ہے۔

خاتم المرسلین محبوب رب العالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کے بغیر مسلمان کا ایمان معتبر نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا یومن أحد کم حتی أکون أحب الیہ من والده، وولده والناس أجمعین“ (بخاری)۔ ”کہ تم میں سے کسی کا بھی ایمان پورا نہیں جب تک مجھ سے اس کو محبت اپنی والد سے، اپنی اولاد سے اور تمام لوگوں کے مقابلے میں زیادہ نہ ہو۔“ اور یہی محبت ہے جو جس حد تک بھی ہے مسلمانوں کو کسی نہ کسی طرح اپنے نبی سے جوڑے ہوئے ہے، اسی ذریعہ سے مسلمانوں کی امت آج بھی ایک امت بنی ہوئی ہے، اور اس کے افراد ایک دوسرے کے ساتھ بھائیوں جیسا رشتہ رکھتے ہیں، اور ایک حد تک یہ بات مسلمانوں کے ایمان و اسلام کی محافظ بنی ہوئی ہے اور جب تک مسلمان اپنے رسول پاک سے محبت کے ذریعہ جوڑے رہیں گے وہ اپنے اسلام کے وفادار اور ایک متحدہ امت بنے رہیں گے، اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سے ایسے تعلق کا باقاعدہ حکم دیا ہے، ایک جگہ

فرمایا ہے کہ:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَحَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (سورہ نساء: ۶۵)

”متوجہ ہو جاؤ اس کے سوا دوسری بات نہیں کہ یہ لوگ ایمان والے نہیں ہو سکے جب تک اپنے اختلاف اور جھگڑوں میں آپ کے پاس فیصلہ کرانے نہ آئیں، اور پھر جب آپ جو فیصلہ دے دیں تو اس کو اس طرح مان لیں کہ دل میں بھی اس کے متعلق تردد نہ آئے اور اس کو پورا پورا تسلیم کر لیں۔“

اور دوسری جگہ فرمایا ہے کہ:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا۔

(سورہ احزاب: ۲۱)

”تمہارے لئے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے، یہ اس کے لئے جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے، اور کثرت سے ذکر الہی کرتا ہے۔“

اور ایک جگہ فرمایا ہے کہ:

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (سورہ احزاب: ۵۶)

”اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں اے ایمان والوں تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔“

اور مسلمانوں میں ایسی تعلق اور اپنے رسول اور مسلمانوں کے مابین آپ کے تعلق کے لئے فرمایا:

”إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ“ (سورہ حجرات-۱۰)  
 ”ایمان والے آپس میں سب بھائی بھائی ہیں“

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عالم میں تشریف لانے کے تعلق سے مسرت کا اظہار ہم کو ہر ماہ ربیع الاول میں جگہ جگہ شاندار طریقے سے ملتا ہے، مسرت کا یہ اظہار بہت مبارک ہے جتنا بھی ہوا چھا، لیکن یہ اور بھی زیادہ اچھا ہو سکتا ہے اگر اس میں خود ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی مسرت کا لحاظ رکھا گیا ہو، ان کی مسرت ان کے ماننے والوں کی طرف اپنی مسرت بہت زیادہ دکھاوا کرنے سے زیادہ ان باتوں میں ہے جن سے خلق خدا کو فائدہ پہنچتا ہو، غریبوں اور پریشان حال لوگوں کی مدد ہوتی ہو، بیواؤں یتیموں کو سہارا ملتا ہو، امت کے افراد کی پریشانیاں دور ہوتی ہوں، ان کاموں پر حتی الوسع توجہ دینا ممکن حد تک اپنے مال کا کچھ حصہ اس پر لگانا اللہ رب العزت کو راضی کرنے والا اور اس کے رسول محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مسرور کرنے والا کام ہے، ہمارے تو نگر حضرات عید میلاد النبی کے موقع پر اپنی مسرت کا اظہار تو بڑے مصارف سے کرتے ہیں اور ان میں کچھ افراد اور ان میں کچھ حضرات ضرورت مندوں اور غریبوں کی مدد بھی کرتے ہیں لیکن دونوں پہلوؤں کے درمیان مناسبت مزید بہتر بنانے کی ضرورت ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صفات میں آتا ہے کہ ضرورت مندوں کا خیال فرماتے تھے، جس کا کام نہ ہو پارہا ہو اس کا کام ہونے میں مدد کرتے تھے، کسی پر مصیبت پڑتی تو اس کی مصیبت دور کرنے کی فکر کرتے تھے اور ان سب باتوں کا حکم بھی دیتے تھے، ہم کو دیکھنا چاہئے کہ ہم اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے اظہار میں آپ کی صفات طیبہ

کی نقل کرنے میں کتنا صرفہ کرتے ہیں اور کتنا صرفہ محض اپنی پسند اور مسرت کے مظاہرہ میں کرتے ہیں، یعنی کتنی فکر اپنی خوشی کے اظہار کی کرتے ہیں اور کتنی فکر اپنے رسول کی پیروی اور خوشنودی کے لئے کرتے ہیں، ہم اگر جائزہ لیں تو ہم کو بڑی اونچ نیچ ملے گی، ہم اگر اعتدال سے کام لیں تو مسلمانوں کی کتنی پریشانیاں دور ہو سکتی ہیں اور کتنی ضرورتیں جن سے مسلمانوں کی امت کو بڑی تقویت حاصل ہو سکتی ہے کتنے مسئلے حل ہو سکتے ہیں اور ایک طرفہ اظہار مسرت میں ہم کتنے اچھے کاموں سے محروم رہ جاتے ہیں، اور اپنے پروردگار کی خوشنودی اور اپنے رسول پاک کی پیروی اور ان کی مسرت کی باتوں کی فکر سے دور رہ جاتے ہیں۔

ہم کو میلاد النبی کے پُر مسرت موقعوں پر راہِ اعتدال اختیار کرنے کی طرف توجہ دینا چاہئے، اگر عمارتوں کو دلہن بنانے میں کچھ کمی ہو جائے اور رسول مقبول کی پیروی اور خوشی کی فکر سے جنت میں ہمارا محل بن جائے، تو یہ زیادہ کامیابی کی بات ہے جس میں کسی کو بھی شبہ نہیں ہو سکتا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور آپ کی مسرت کے کام بہر حال مسلمانوں کے لئے بڑی کامیابی کی بات ہے اللہ تعالیٰ اس کی توفیق عطا فرمائے اور اپنی مرضی اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی پر چلائے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی نبینا محمد و علی آلہ  
و صحبہ و سلم تسلیماً کثیراً کثیراً



## انسانیت کی عید

ربیع الاول کا مہینہ بہار کا مہینہ ہے، یہی وہ مہینہ ہے جس سے انسانیت کی باد بہاری چلی، اس کی آمد انسان کے شرف و اعزاز اور انسانیت کے عز و افتخار کی یاد دلاتی ہے، حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے انسانیت اپنا یہ عز و افتخار کھو چکی تھی، جسے بعثت نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دوبارہ بحال کیا، انسانیت کی گراوٹ کی تصویر کشی اس حدیث سے بخوبی ہوتی ہے کہ ”اللہ تعالیٰ نے اہل زمین پر نظر ڈالی تو ان کو ناپسند کیا، عرب کو بھی عجم کو بھی سوائے اہل کتاب میں سے کچھ بچے کچھے لوگوں کے۔“

اور اللہ تعالیٰ کا انسانیت پر یہ فضل و کرم ہے کہ جب انسانیت فساد اور بگاڑ کی آخری حد کو پہنچ گئی تھی، اور عز و شرف سے بہت دور جا چکی تھی، اور انسان پستی و ادبار کی تہہ میں جانوروں کی سی زندگی گزار رہا تھا، اور وہ ایسا درندہ بن چکا تھا کہ وہ دبے کپلے انسانوں کے ساتھ وہ معاملہ کرتا تھا جو بڑے جانور چھوٹے جانوروں کے ساتھ کرتے ہیں اپنے مفاد کے حصول کے لئے دوسروں کو قربان کر دیتا، کام لیتے وقت بیل کی طرح وتتا لیکن مزدوری نہ دیتا، اور اگر ویتا بھی تو بہت معمولی جو نہ کے برابر ہوتی، ذرا سی

ناراضگی پر ریگستان و صحرا کی نذر کر دیتا، مغلخون کو جنگلوں میں جانوروں کی غذا بننے کے لئے بھیج دیتا، انسان کا انسان کے ساتھ سلوک اس سے سخت اور ناقابل بیان ہو چلا تھا جو ایک سنگدل انسان بے زبان جانوروں کے ساتھ کرتا ہے، اس سے زیادہ سنگدلی اور بے رحمی کی بات اور کیا ہوگی کہ ملوک و امراء جو خود کو اعلیٰ درجہ کا انسان سمجھتے تھے قیدیوں میں جنہیں وہ سزائے موت کا مستحق سمجھتے اپنی اعلیٰ دعوتوں اور کھانے کی محفلوں میں بلاتے اور انہیں آگ کا الاؤ بنا کر اپنے معزز مہمانوں کی ضیافت کرتے کہ اس کی روشنی میں وہ کھانا تناول کریں، ان کے نزدیک اس کی تکلیف اور اس کے جل کر رکھا ہونے سے مہمان کی ضیافت دو بالا ہو جاتی تھی، اور ایک اچھا سا ماں تفریح ہو جاتا تھا۔

عورت کی حقیقت کھلونے کی سی اور آلات طرب و عیش کی تھی، بے چوں و چرا خدمت لی جاتی اس کو خوب استعمال کیا جاتا، حیاء و عفت اور آبرو کا کوئی لحاظ دونوں جانب نہ تھا، اور یہ سب کچھ اس وقت تھا جب وہ زندہ درگور ہونے سے بچ جاتی۔

حصول مال و زر میں ہر وہ طریقہ اختیار کرنا صحیح سمجھا جاتا تھا جس سے مال میں نمو ہو، خوشی ناخوشی کی کوئی پرواہ نہ کی جاتی تھی، سود، رشوت، غصب، ڈاکہ ڈالنا، چوری، خیانت جس کے بس میں جو ہوتا وہ کرتا۔

دینی و مذہبی حالت نہایت اہتر تھی، اوہام و تصورات اور خرافات میں لوگ زندگی گزار رہے تھے، غلط سلط عقیدے گڑھ رکھے تھے، سورج چاند، ستاروں، حجر و شجر، دریا، جانور حتیٰ کہ کیڑے مکوڑوں کی عبادت کرتے تھے، اور ان کا یہ عقیدہ تھا کہ یہ نفع رساں اور ضرر رساں ہیں اس لئے ان کے ضرر پہنچنے سے بچنے کے لئے ان کی عبادت ضروری ہے آسمانی مذاہب کے ماننے والے بھی جاہد حق سے ہٹ گئے تھے، نصاریٰ نے ایک معبود برحق کو تین میں تقسیم کر کے اس کے اختیار و قدرت کو بانٹ دیا تھا، کہ اللہ واحد کو تسلیم کرنے کے لئے روح القدس اور بیٹے کو بھی جوڑنا ضروری سمجھا، اور یہود نے



اپنی نسل کے بعض نبیوں کو الوہیت کا درجہ دے کر اپنے کو اللہ کی اولاد قرار دے دیا، اور کہا ”نَحْنُ ابْنَاءُ اللَّهِ وَ أَحِبَّاءُ ؕ“ اور اپنے کو عام انسانوں سے بالاتر طبقہ قرار دے کر دوسرے تمام انسانوں کو جانوروں کی جگہ رکھا، اور ان کے دل دماغ میں یہ بات رچ بس گئی تھی کہ ہماری موجودگی میں کسی دوسرے کی عزت و ناموس کوئی چیز نہیں ہے اور کسی دوسرے کو دنیا سے فائدہ اٹھانے کا حق نہیں ہے۔

ان حالات میں خاتم الرسل سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی، آپ نے ان غلط عقائد و خیالات کی پرزور نفی کی اور بہیمانہ و وحشیانہ زندگی کی زبردست مخالفت کی اور ظلم و فساد کو ختم کیا، اور انسان کو اس کی پستی سے اٹھایا، ندائے حق بلند کی، اور پھر اس کے نفاذ کے لئے کھڑے ہوئے، کچھ نے شروع ہی میں ساتھ دیا، کچھ شدید مخالفت پر آمادہ ہوئے، اور انھوں نے آپ پر اور آپ کے جاں نثار اصحاب پر جان لیوا مظالم کئے، لیکن آپ نے اور آپ کے اصحاب نے یہ سب کچھ اللہ کے راستہ میں سہا، جئے اور ڈٹے رہے، دعوت و تبلیغ کرتے رہے، کہ حق سر بلند ہو اور باطل سر گوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بگاڑ اور فساد کو ختم کرنے، اور ضلالت و انحراف کو دور کرنے کے لئے جہد مسلسل سے کام لیا، اور انسان کو بتایا کہ وہ اپنے رب کی کس طرح بندگی کرے اور اپنے ماں باپ کے ساتھ کس طرح سلوک کرے، پڑوسیوں کے ساتھ کیسے رہے، رشتہ داروں اور دوستوں، تعلق والوں کے ساتھ کس طرح برتاؤ کرے، چھوٹوں اور ماتحتوں کے ساتھ کس رحمدلی اور شفقت و محبت سے پیش آئے، بڑوں اور اپنے ذمہ داروں کا کیسا لحاظ و خیال کرے، اور یہ تعلیم دی کہ بنی نوع انسان میں کوئی کسی سے برتر نہیں ہے سارے انسان برابر ہیں، سب آدمی ہیں، اور آدم مٹی سے بنے ہیں، عرب ہوں یا عجم نہ عربی کی عجمی پر نہ عجمی کی عربی پر کوئی فضیلت و ترجیح ہے، اور نہ گوروں کی کالوں پر اور نہ کالوں کی گوروں پر، ہاں اگر ہے تو صرف تقویٰ (و طہارت) کی بنیاد

پر ہے، اور یہ بتایا کہ وہ اشرف المخلوقات ہے لیکن دوسری مخلوق کے ساتھ بھی اس کا معاملہ شفقت و نرمی کا اور نفع رسانی کا ہونا چاہئے، ”إِرْحَمُوا مَن فِي الْأَرْضِ بِرَحْمَتِكُمْ مَن فِي السَّمَاءِ“ (ابوداؤد) آپؐ کا لازوال ارشاد و تعلیم ہے، اور یہ کہ ”الْخَلْقُ كُلُّهُمْ عِيَالٌ لِلَّهِ فَاحْبُبِ الْخَلْقَ إِلَى اللَّهِ مَن أَحْسَنَ إِلَى عِيَالِهِ“ (طبرانی) ساری مخلوق اللہ کے زیر پرورش ہے اللہ کی مخلوقات میں اللہ کو سب سے پسندوہ ہے جس کا رویہ اس کے زیر پرورش مخلوق کے ساتھ اچھا ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جہد مسلسل و سعی پیہم تقریباً نصف صدی جاری رہی یہاں تک کہ آپؐ نے ایک ایسا مثالی انسانی معاشرہ دنیا کے سامنے پیش کر دیا کہ جیسا روئے زمین پر کبھی دیکھا نہیں گیا تھا، اس معاشرہ کا ہر فرد عقیدہ و عمل میں اپنی مثال آپ تھا، یہ ممتاز انسانی معاشرہ صلاح و ہدایت کا حامل معاشرہ تھا، اس معاشرہ کے افراد انسانی فضائل کے داعی و ناشر تھے اور ہر معاشرہ کو اخلاقی زوال سے صاف کر دینے کی اعلیٰ صلاحیت رکھنے والے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانیت کو اس کے مرتبہ عالی پر دوبارہ فائز کیا، اس کو اس کے عز و شرف کی چوٹی پر پہنچایا، امن و سلامتی کی ڈگر پر کھڑا کیا، صفائی و پاکیزگی عطا کی، سیرت و سلوک اور اخلاق و صفات میں جمال و کمال سے آراستہ کیا، اور اس طرح کیا کہ زبان خلق کہہ اٹھی کہ انسانیت کی صبح صادق طلوع ہوئی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری رواں دواں قافلہ انسانیت کے لئے منارہ نور بنی کہ جس کی روشنی میں انسانی قافلہ چلتا رہے گا، اور آپؐ کی بعثت سے انسانیت کو نشاۃ ثانیہ ملی اور پھر آپؐ کی ختم نبوت نے اس کو بقاء و دوام بخشا، ماہ ربیع (بہار) میں آپؐ کی ولادت باسعادت ہوئی، اور یہی ہجرت کا مہینہ بھی ہے کہ جس کے بعد اعلیٰ ترین انسانی اقدار کے مطابق مثالی انسانی معاشرہ تشکیل پایا، اور پھر اسی ماہ

مبارک میں آپؐ نے اپنا کام مکمل فرما کر وفات پائی، اور مثالی انسانی معاشرہ کی تشکیل کی تکمیل ہوئی، اس طرح یہ مہینہ اپنے ساتھ ایک پیغام رکھتا ہے، اس ماہ بہار (شہر الربیع) نے پوری دنیا میں انسانیت کی باد بہاری چلائی، ہر سال یہ ہمارے سامنے باد بہاری کے جھونکے لے کر آتا ہے، اور ہمارے سامنے کچھ تقاضے اور ذمہ داریاں رکھتا ہے، عربی شاعر نے بہت خوب کہا ہے۔

ولد الهدی فالکائنات ضياء

وفم الزمان تبسم و ثناء

”ہدایت کا آفتاب طلوع ہوا اور اپنی ضیا پاش کرنوں سے وجود

کائنات کو منور کیا اور زمانے کی زبان خوشی اور حمد و ثنا کے نغمے گانے

گئی۔“

وصلی اللہ علی خیر خلقہ و خاتم رسلہ محمد۔ المصطفیٰ و علی

آلہ و صحبہ اجمعین (۱)

(۱) ترجمہ از عربی، محمود حسن حسنی ندوی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
 اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ  
 وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ  
 عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ  
 إِنَّكَ حَمِيدٌ مُجِيدٌ  
 اللَّهُمَّ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى  
 آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى  
 إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ  
 إِنَّكَ حَمِيدٌ مُجِيدٌ